سید عطاء المحسن بخاری رحمہ اللہ

میرے محسن ، میرے مربی
امیر احرار ، ابن امیر شریعت

سید محمد کفیل بخاری

میرے محسن و مربی، بہت ہی شفیق ماموں، استاد، دوست اور مونس و غم خوار حضرت سید عطاء المحسن بخاری بھی رخت سفر باندھ کر عقبیٰ کو چلے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ میں ان کے احسانات، کرم فرمائیوں اور شفقتوں کا بے حد ممنون ہوں۔ میری توتلی زبان پر نورانی قاعدہ کی الف با جاری کرنے سے لے کر ۴۱ سال کی عمر تک انہوں نے ہر مقام پر میری تربیت کی۔ آدابِ مجلس، آداب گفتگو، اخلاق، اعمالِ دینیہ خصوصاً عبادات، تحریر و تقریر، اجتماعی و تحریکی عمل میں حوصلہ و استقامت، غرض تمام امور میں باپ اور مربی کی طرح میری تربیت و نگرانی اور اصلاح فرمائی۔ ڈانٹ ڈپٹ اور محبت و شفقت دونوں طرح سے انہوں نے مجھے اپنی شخصیت کا اسیر کر لیا تھا۔ مجھ میں جتنی خوبیاں ہیں اسی محسن و مربی کی دعاؤں اور تربیت کا نتیجہ ہیں۔ جو خامیاں ہیں وہ میری غفلتوں کا شاخسانہ ہیں۔

میں عمر بھر کسی موقع پر اتنا غمگین نہیں ہوا۔ موت تو سب کو آنی ہے۔ مگر اپنے محسن و قائد کا اتنی جلدی چلے جانے کا کبھی خیال تک نہیں آیا تھا۔ میں بہت کچھ لکھنا چاہتا ہوں، ضرور لکھوں گا، میرا دل انکی محبت بھری یادوں سے معمور ہے۔ میرا دماغ ان کی گل افشانیوں سے آج بھی معطر ہے۔ انہیں ہم سے رخصت ہوئے ۲۲ روز ہو چکے ہیں مگر کیا کروں کہ ہزار کوشش کے باوجود تا دمِ تحریر قلزمِ غم میں ڈبکیاں لے رہا ہوں۔ کچھ سجھائی نہیں دیتا، کچھ کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ وہ ایک شخص کہ جو میری زندگی میں محبتوں اور چاہتوں کی ایسی خوشبو بکھیر گیا جس سے میرے فکر و خیال اور علم و عمل کا مشام آج بھی عطر بیز ہے اور اس کی مہک ہمیشہ باقی رہے گی۔ لیکن ان کے بغیر ہر چیز سونی سونی اور اداس اداس لگتی ہے۔ ع

وہ کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

ان کی محبت و شفقت اور خلق کا یہ عالم تھا جو بھی ان کی کٹیا میں آیا پہلی ہی ملاقات میں ان کی محبت کا اسیر ہو گیا۔ وہ اپنے عظیم والد حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے خلق کا نمونہ تھے۔ ایک حوصلہ مند انسان، استقامت کا پہاڑ، بہت ہی بہادر اور بہادروں سے محبت کرنے والا، اسلاف احرار کی روایات کا امین، خطابت میں یکتا، قرآن کا حافظ و قاری، مقری و مجوّد، عالم با عمل، شگفتہ مزاج، شاعر و ادیب، کالم نگار، صحافی، منکسر المزاج، پیکر عجز و نیاز، درویش خدامست، متوکل علی اللہ، سالک و صوفی، نمود و نمائش اور شخصیت سازی سے یکسر عاری، علم دوست، غرض کتنی ہی خوبیاں تھیں جو اللہ کے اس بندے میں جمع ہو گئی تھیں۔ بیماری کے ایام میں کبھی اپنی تکلیف پر شکوہ نہیں کیا۔ احباب صبح و شام آتے ہر

وقت دروازہ کھلا رکھتے۔ نہ کسی کو انتظار کی زحمت نہ ملاقات میں دقت، کوئی پرائیویٹ سیکرٹری اور نہ کوئی پروٹوکول آفیسر، بلکہ ایسی زندگی سے سخت تنفر تھا۔ مصافحہ کرتے تو اس وقت تک ہاتھ نہ چھوڑتے جب تک ملاقاتی خود ہاتھ نہ کھینچ لے، والہانہ انداز میں ملتے، چہرہ متبسم اور تحسین و تشکر کے الفاظ زبان پر جاری ہوتے۔ احباب پوچھتے..........

شاہ جی کیا حال ہے؟

اللہ کا شکر ہے

آج طبیعت زیادہ خراب لگتی ہے؟

الحمد للہ

شاہ جی آپ تو صابر و شاکر بندے ہیں، تکلیف کا اظہار ہی نہیں کرتے؟

اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے مجھے اپنی مخلوق میں کئی لوگوں سے بہتر رکھا ہوا ہے۔

یہ بھی کیا بات ہوئی کہ میں اللہ کی ساری نعمتوں کو جھٹلا کر اس تکلیف کا شکوہ کروں الحمد للہ. ثم الحمد للہ۔

۲۰، اکتوبر ۱۹۹۹ء کو ان کی طبیعت زیادہ بگڑی میں نے عرض کیا یہ اچانک ایسا کیوں ہوا؟ لگتا ہے آپ نے دوا ترک کر دی ہے۔ کیوں کہ گزشتہ ہفتے صحت کافی بہتر تھی۔

فرمانے لگے، یار..... دس دنوں سے دوا نہیں کھا رہا۔ میں نے افسوس اور تعجب کا اظہار کیا تو آبدیدہ ہو گئے۔ چند احباب کی موجودگی میں فرمانے لگے (پنجابی میں)

"پتر ہُن میرے دم دا جھولا ای اے. مامے تیرے دا کم مُک گیا اے، اپنا آپ تے جماعت دا سب کجھ سنبھال لے۔ کسے دا وسا نہ کریں. مینوں پتہ اے میرے بعد تہانوں بڑی پریشانی آونی اے، پتر تکڑا ہو جا"۔

(بیٹے اب میرے وجود کا سایہ ہی ہے، تیرے ماموں کا کام تمام ہو گیا ہے۔ اپنے اور تمام جماعتی امور سنبھال لو، کسی کا بھروسہ نہ کرنا۔ مجھے معلوم ہے کہ میرے بعد تمہیں بہت پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ بیٹے، استقامت اختیار کرنا۔)

اپنے محسن ماموں کی باتیں سن کر دل کو دھکا سا لگا۔ میں آبدیدہ ہو کر غم و یاس کی کیفیت میں گم سم کافی دیر ان کے پاس بیٹھا رہا۔ انہیں تسلی دیتا رہا کہ آپ مایوسی کی باتیں نہ کریں۔ پھر انہوں نے حسبِ عادت گپ شپ شروع کر دی، وہی شگفتگی، ہنسی، چہرے پہ بشاشت، جیسے وہ بیمار ہی نہیں۔

۲۴، اکتوبر کو لاہور میں مجلس احرار اسلام کی مرکزی مجلس عاملہ کا اجلاس تھا۔ میں گومگو اور تذبذب کا شکار تھا۔ جاؤں کہ نہ جاؤں! انہیں اس حال میں چھوڑ کر جانے کو جی بھی نہیں چاہتا تھا۔ ۲۳، اکتوبر کی شام میں نے حوصلہ کر کے عرض کیا کہ کل لاہور میں مجلس عاملہ کا اجلاس ہے۔ فرمایا "بیٹا جی ضرور جاؤ۔ ایجنڈا کیا ہے؟ کیا فیصلے کرو گے؟ میں نے چند باتیں اجمالاً عرض کیں تو بھرپور حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے اپنی رائے بھی

دی اور جانے کا حکم بھی فرمایا۔ تب ایسا لگ رہا تھا وہ بالکل ٹھیک ہیں۔ یہ جماعت کے ساتھ ان کی بے پناہ محبت کا اظہار تھا۔ وہ فنافی الاحرار اور سراپا احرار تھے۔

گذشتہ تین روز سے شدت مرض کی وجہ سے ان کی حالت بہت تشویش ناک تھی جس سے ہم سب پریشان تھے۔ لمحہ بہ لمحہ طبیعت میں تغیر پیدا ہو رہا تھا۔ ویسے تو اکتوبر کے اوائل میں برادر محترم ڈاکٹر عبدالرّب نیاز صاحب نے ہمیں خبردار کیا تھا کہ شاہ جی کے گردوں کا مرض اتنا تشویشناک نہیں ہے اس میں بہتری پیدا ہو رہی ہے۔ لیکن ان کا جگر خراب ہو چکا ہے ساتھ ہی دل کا عارضہ بھی شروع ہو گیا ہے۔ اور یہ ایک مہینہ آپ کے لئے بہت ہی خطرناک ہے۔ آپ شاہ جی کو فوراً ہسپتال داخل کریں۔ اگر خدا نخواستہ کوئی حادثہ ہوا تو دل کی وجہ سے ہو گا۔ لیکن شاہ جی کے صبر و حوصلہ اور شگفتہ مزاجی نے ہماری امید و آس کا قصہ دراز کر دیا تھا۔

تا ہم ۲۳، اکتوبر کو راقم، بھائی سید محمد ذوالکفل بخاری، چچا سید مرتضیٰ بخاری، مولانا حبیب الرحمٰن ہاشمی، ڈاکٹر عبدالرب نیاز صاحب اور ڈاکٹر محمد علی صاحب سے مشورہ کے بعد ہسپتال میں داخل کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن شاہ جی ہسپتال جانے کے لئے قطعاً تیار نہ تھے۔ اب ان کو آمادہ کرنے کا مسئلہ تھا۔ محترم ڈاکٹر محمد علی صاحب نے فرمایا یہ مجھ پر چھوڑ دیں میں خود آ کر شاہ جی کو منا لوں گا۔

۲۳، اکتوبر کی صبح سے شام تک میں مسلسل ان کے کمرے میں حاضری دیتا رہا اور باقاعدہ دوائی کھلاتا رہا۔ عشاء کے بعد حاضر ہو کر لاہور جانے کی اجازت چاہی تو انہوں نے نہایت والہانہ انداز میں مصافحہ کیا اور دعاؤں کے ساتھ مجھے رخصت کیا۔ عرض کیا کل شام تک آپکی خدمت میں واپس لوٹ آؤں گا۔ تمام رات سفر میں کاٹی اور نہایت حزن و یاس اور پریشانی کے عالم میں۔ صبح لاہور پہنچ کر ملتان فون کیا تو بھائی ذوالکفل نے بتایا کہ ۷ بجے ڈاکٹر محمد علی صاحب نے آنا ہے۔ ۹ بجے فون کیا تو معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب نے شاہ جی کو آمادہ کر لیا ہے۔ اور تھوڑی دیر میں ہم انہیں لے کر ہسپتال جا رہے ہیں۔ مجلس عاملہ کا اجلاس ایک گھنٹہ جاری رہا۔ دوران اجلاس ۱۲ بجے پھر فون کیا تو چچا سید مرتضیٰ بخاری نے بتایا کہ ابھی ہسپتال چھوڑ کر آ رہا ہوں۔ جاتے ہی ادویات اور انجیکشن شروع کر دیئے ہیں اور طبیعت صبح کی نسبت قدرے بہتر ہے۔ اور شام کو ایک تقریب میں شرکت کی وجہ سے مجھے مجبوراً رکنا پڑا۔ رات ۸ بجے فون کیا تو خبر حوصلہ افزا تھی۔ اسی طرح رات ساڑھے دس بجے پھر فون کیا تو بھائی ذوالکفل نے کچھ اطمینان دلایا۔ خال مکرم حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم، مولانا محمد اسحٰق سلیمی اور بھائی عبد اللطیف خالد چیمہ بھی لاہور ہی میں تھے اور ۲۴، کا سارا دن شاہ جی کے لئے دعاء صحت میں گزرا۔ حضرت پیر جی مدظلہ نے مغرب کے بعد خصوصی طور پر سورۃ یٰسین اور سورۃ واقعہ پڑھنے کا حکم دیا اور تمام احباب تلاوت قرآن میں مشغول ہو گئے۔ پھر طویل دعاء کرائی۔ ۲۵، اکتوبر کی دوپہر ملتان واپسی کے لئے تیاری کر ہی رہا تھا کہ چچا سید مرتضیٰ بخاری نے فون پر بتایا کہ تمہاری اہلیہ کی طبیعت بہت خراب ہے اور شام کو آپریشن ہے فوراً پہنچو۔ شام کو ملتان پہنچا۔ دو طرفہ

پریشانی۔ کبھی اس ہسپتال، کبھی اُس ہسپتال۔ تمام رات اسی حالت میں گزری۔ ماموں جی کی خدمت میں حاضر ہوا تو اپنی بیماری بھول کر میری پریشانی کا فکر کرنے لگے۔ بار بار میری اہلیہ کی خیریت دریافت کرتے رہے۔ دعائیں فرماتے رہے۔ ۲۴، نومبر تک روزانہ ان کی خدمت میں دو تین مرتبہ حاضری ہوتی۔ ناشتہ اور شام کا کھانا لیکر جاتا تو ہشاش بشاش نظر آتے۔ میرا انتظار کرتے۔ کبھی تاخیر ہوجاتی تو فرماتے "یار دیر ناں آیا ایں" میں عذر پیش کرتا تو کمال شفقت ومہربانی سے قبول فرماتے۔

حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ بھی ۲۶ /اکتوبر کی صبح ملتان پہنچ گئے، چند روز قیام کیا اور روزانہ ہسپتال حاضر ہوتے رہے۔ پھر حضرت کی اجازت سے ضلع رحیم یار خان کے تبلیغی و تنظیمی اسفار پر روانہ ہوگئے۔

مولانا محمد اسحٰق سلیمی مسلسل حاضر ہوتے رہے۔ شاہ جی کی صحت بہتر ہورہی تھی اور طبیعت سنبھلتی چلی جارہی تھی۔ ۳، نومبر کی شام حاضر ہوا تو رات گئے تک گفتگو فرماتے رہے۔ علم و حکمت اور لطائف و ظرائف کے موتی بکھیرتے رہے۔ کئی اشعار سنائے، مجھے فرمانے لگے:

"یار ویکھ کناچنگا شعر اے" (یار دیکھو کتنا اچھا شعر ہے۔)

ملے فرصت تو رونے سے کسی شب
ستاروں کی گھنی چھاؤں میں سو نہیں

پھر موت کو یاد کرنے لگے اور اللہ کی بارگاہ میں حصولِ رحمت کی دعا کرنے لگے۔ آخری دنوں میں کثرت سے موت کو یاد کرتے اور ایمان پر خاتمہ کی دعا کرتے۔

فرمانے لگے ایک اور شعر سنو، دیکھو کتنا سادہ، مختصر اور مکمل ہے۔

کتنا مختصر ہے فسانہ زندگی کا
دو ہچکیوں میں ٹوٹا پیمانہ زندگی کا

پھر یہ دعا پڑھی الحمدللہ الذی فضلنی علیٰ کثیر ممن خلق تفضیلا شکر ہے اللہ کا جس نے اپنی مخلوق میں بہت لوگوں پر مجھے فضیلت دی۔

اس دن انہوں نے مجھ سے بہت باتیں کیں ان کا دل چاہتا تھا میں بیٹھا رہوں جب انہیں نیند آنے لگی تو میں اجازت لے کر چلا آیا۔

دو روز قبل میرے عزیز ترین اور مخلص دوست جاوید اختر بھٹی ہسپتال ملنے آئے تو اس وقت شاہ جی کو شدید سردی لگ رہی تھی اور کپکپی طاری تھی۔ بھٹی صاحب نے سلام کیا تو اس تکلیف کی حالت میں بھی انہیں سلام کا جواب دیا۔ بھٹی صاحب سے یہ حالت دیکھی نہ گئی اور فوراً اٹھ کر باہر چلے گئے۔ میں پاس ہی ٹھہرا رہا، گرم چادر اور لحاف اوپر ڈالا، ان کے پیچھے بیٹھ کر کندھوں اور کمر کو دبانے لگا۔ کچھ دیر بعد طبیعت

بحال ہو گئی۔ میں کمرے سے باہر آیا اور دیکھا جاوید بھٹی گم سم بیٹھے ہیں۔ کہا آؤ اندر چلیں اب طبیعت بہتر ہے کہنے لگے جس شخص کو ہنستے مسکراتے، شگفتہ باتیں کرتے دیکھا ہے اس کی یہ تکلیف مجھ سے نہیں دیکھی جاتی۔ میں پھر آؤں گا۔ کئی برس پہلے بھٹی صاحب ایک دفعہ میرے ساتھ میرے محسن ماموں جی کو ملے تھے، بس ایک ہی ملاقات میں ان کی محبت کے اسیر ہو گئے۔ وہ آتے تو شاہ جی کی طبیعت کھل جاتی۔ ان کے ظریفانہ جملوں اور تشبیہات سے بہت لطف اندوز ہوتے۔ جاوید بھٹی بذلہ سنج اور مجلسی آدمی ہیں۔ کتاب سے تعلق رکھتے ہیں، خوب پڑھتے اور لکھتے ہیں انہی خوبیوں کی وجہ سے شاہ جی ان سے محبت کرتے تھے۔

۴، نومبر کی شام حسب معمول مجلس جاری تھی۔ اور شاہ جی خوش باش۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت پیر جی مدظلہ کل ملتان تشریف لے آئیں گے۔ اور پھر چند روز آپ کے پاس رہیں گے۔ کل سے ضلع رحیم یار خان میں جماعت کے تبلیغی اجتماعات شروع ہو رہے ہیں۔ اور پھر جماعت نے ان میں شریک ہونے کے لئے مجھے پابند کیا ہے۔ میرا جی تو نہیں چاہتا کہ آپ کو چھوڑ کر چلا جاؤں۔ لیکن یہ ذمہ داریاں بھی تو آپ ہی نے میرے گلے کا ہار بنائی ہیں۔ اب حکم فرمائیں جاؤں کہ نہ جاؤں؟

فرمایا:

"جی تے میرا وی نہیں کردا کہ توں ٹُر جاویں پر جانے بغیر کم وی نہیں ہوندا۔ توں جا، اللہ کرم کرے گا"۔

(جی تو میرا بھی نہیں چاہتا کہ تم اب جاؤ مگر جانے بغیر کام بھی نہیں چلتا، تم جاؤ اللہ کرم کرے گا)

مجھے والہانہ مصافحے اور دعاؤں سے رخصت کیا۔ میں رات بھر سفر کر کے علی الصبح رحیم یار خان پہنچا۔ پہنچتے ہی فون کر کے خیریت دریافت کی تو جواب اطمینان بخش تھا لیکن دل اب مطمئن نہیں رہا تھا۔ روزانہ صبح و شام فون پر خیریت معلوم کرتا رہا۔ اچھی خبریں ملنے کے باوجود اپنی بے قراری اور اضطراب پر قابو نہ پا سکا۔ آخر ۹ نومبر کو اگلے دو دن پروگرام منسوخ کر کے ملتان واپسی کا سفر کیا۔ رات ڈیڑھ بجے گھر پہنچا۔ خیریت کی خبر پا کر قدرے اطمینان ہوا۔ ۱۰ نومبر کی صبح حاضری ہوئی تو طبیعت اچھی تھی۔ فرمانے لگے گوشت کی یخنی سے اب طبیعت اکھڑ گئی ہے۔ کل سے سبزیوں کا سوپ بنا کر لاؤ۔ عرض کیا ان شاء اللہ بنوا کر لاؤں گا۔

فرمایا اب میں بہت بہتر ہوں۔ تین دن اور دیکھتا ہوں اگر طبیعت اسی طرح بحال رہی تو مجھے گھر لے چلو۔ یہی دو تین نکھے پر کھاتا رہوں گا۔ پھر فرمایا کہ آج مدرسہ کے تمام بچوں کو مرغ پلاؤ پکوا کر کھلاؤ، گوشت زیادہ ڈالنا، بچے خوب پیٹ بھر کے کھائیں، کنجوسی نہ کرنا۔ میں نے فوراً اہتمام کیا اور سب بچوں کو خوب کھلایا۔ ہسپتال جا کر اطلاع دی تو بہت خوش ہوئے اور اپنی جیب سے اس کا خرچ ادا کیا۔

دوپہر کو اپنے بھانجے صبیح الحسن کے شدید اصرار پر اسے ساتھ لے کر دوبارہ حاضر ہوا تو دیکھ کر بہت پریشانی ہوئی۔ سانس اکھڑی ہوئی تھی اور فرما رہے تھے۔ "بس یار ہن قصہ ختم اے" میں نے تسلی دی اور ڈاکٹر صاحب کے کمرہ میں جا کر انہیں کیفیت بتائی۔ انہوں نے بتایا کہ دل کا دورہ پڑا ہے۔ ہم ادویات دے چکے ہیں ان شاء اللہ طبیعت سنبھل جائے گی۔

پونے پانچ بجے شام طبیعت سنبھل گئی۔ میں نے بتایا کہ عزیزم صبیح الحسن کا حفظِ قرآن اس ہفتے میں مکمل ہو جائے گا۔ فرمایا: ماشاء اللہ پھر آبدیدہ ہوگئے۔ شاید اس خیال سے کہ میں اس خوشی میں شریک بھی ہو سکوں گا یا نہیں؟ میں نے عرض کیا اس کے لیے دعا کریں اور اجازت دیں کہ میں اسے گھر چھوڑ آؤں۔ اس نے ابھی سبق سنانا ہے۔ یہ صرف آپ سے ملنے آیا تھا۔ فرمایا جاؤ۔ نمازِ مغرب میں نے واپس ہسپتال پہنچ کر ادا کی۔ حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم، سید مرتضیٰ بخاری اور برادر عزیز سید محمد ذوالکفل بخاری سب موجود تھے۔ شاہ جی دیر تک اپنی باتوں سے خوشبو بکھیرتے رہے۔ ڈاکٹر محمد طاہر امراضِ دل کے شعبہ میں ہوتے ہیں اور شاہ جی سے بہت ہی بے تکلف تھے۔ وہ دیکھنے آئے تو فرمایا ڈاکٹر صاحب اب مجھے گھر جانے دیں۔ انہوں نے مزاحاً کہا شاہ جی! یہاں والے "عزرائیل" سے آپکی لڑائی ہے۔ مدرسہ میں بھی تو وہی آئے گا۔ آپ دوا کھاتے ہیں۔ فرمایا ڈاکٹر صاحب اب دوا نہیں کھاؤں گا۔ ڈاکٹر طاہر صاحب نے کہا شاہ جی سنت سمجھ کر کھا لیں۔ یہ سن کر دوائی کھالی۔ ڈاکٹر طاہر نے باہر آکر مجھے صاف صاف کہہ دیا کفیل بھائی! اب شاہ جی ہمارے مہمان ہیں۔ آپ اس حقیقت کو تسلیم کر لیں۔ اور ذہنی طور پر تیار ہو جائیں۔ ان کی شگفتگی کو نہ دیکھیں۔ انسانی تدبیریں سب الٹی ہو گئی ہیں۔

میں واپس آیا تو مجلس گرم تھی فرما رہے تھے: میں نے تمہاری بڑی بہن کو ۶ پارے قرآن دیکھے بغیر زبانی حفظ کرائے تھے۔ میں نے عرض کیا آپ نے مجھے بھی نورانی قاعدہ اور آخری دو پارے حفظ کرائے تھے۔ ہنس کر فرمانے لگے تم میرے شاگرد بھی ہو۔ عرض کیا الحمد للہ۔ پھر تازہ لکھی ہوئی نظم جیب سے نکال کر مجھے عطا کی اور پڑھ کر سنائی۔ فرمایا کہ ایک نظم ذوالکفل کو دی ہے اور دوسری یہ ہے۔ اس مرتبہ "نقیب" میں دونوں شائع کرنا۔ لاہور سے طارق عزیز (گورنمنٹ کالج کا طالب علم) آیا تو اس نے کالج میگزین "راوی" پڑھنے کو دیا۔ وٹ پٹانگ شاعری پڑھ کر لطف اندوز ہوتا رہا اور یہ نظم پانچ منٹ میں ہو گئی ہے۔

پھر نقیب ختم نبوت کے نومبر کے شمارہ کی تحسین فرمائی۔ سید یونس الحسنی کے مضمون "کالا کوٹ" اور محمد عمر فاروق کے "ثبوت حاضر ہیں" کی بہت تعریف کی۔ فرمایا ماشاء اللہ دل خوش ہو گیا ہے خوب لکھا ہے۔

انہیں اپنی قضا نمازوں کا بہت دکھ اور قلق تھا۔ مجھے بار بار فرماتے کہ حساب کر کے میری رقم سے فوراً فدیہ ادا کرو۔ میں نے حساب لگا کر فدیہ ادا کیا تو بہت اطمینان محسوس کیا۔ فرمایا الحمد للہ۔ میرا بوجھ ہلکا ہو گیا ہے۔ شاہ جی کے عزیز ترین دوست محمد یوسف باوا روزانہ ہی آتے تھے۔ انہیں دیکھ کر اور مل کر بہت خوش ہوتے تھے۔ اس شام انہیں نماز کی پابندی کی بہت سخت تلقین کی اور فرمایا کہ اب کیا انتظار ہے۔ اس غفلت کو ترک کر دو۔ بھائی یوسف کی روایت ہے کہ اس روز بہت زیادہ تلقین فرمائی اور میں نے نماز کی پابندی شروع کر دی۔

رات گیارہ بجے میں گھر لوٹا تو بالکل ٹھیک معلوم ہو رہے تھے۔ ۱۱ نومبر کو صبح پہنچا تو طبیعت بہت بگڑی ہوئی تھی، سانس اکھڑی اکھڑی اور نقاہت بہت زیادہ۔ حضرت پیر جی مدظلہ اور سید مرتضیٰ بخاری

میرے ساتھ ہی تشریف لے گئے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی فرمایا قریب آؤ۔ اور قریب آؤ، میں قریب ہوا تو میرا منہ چوما اور فرمایا "اب سفر ہے، میرا کام ختم ہو چکا ہے" میں ان کو تسلی دیتا اور اپنے آپ کو بھی، مگر وہ مسلسل فرماتے رہے "دھوکے میں نہ رہو اور اب مجھے گھر لے چلو" ڈاکٹروں نے مجھے بتایا کہ رات پونے تین بجے دوسرا دورہ پڑا ہے۔ ۱۱۔ نومبر کا دن بڑی بے چینی اور اضطراب میں گزرا۔ ذرا طبیعت سنبھلتی تو چہرے پر وہی بشاشت لوٹ آتی۔ رات گیارہ بجے طبیعت میں کچھ ٹھہراؤ آیا تو میں اجازت لے کر گھر لوٹا۔ ساتھ ہی حافظ محمد ضیاء اللہ سے کہا کہ اگر کوئی پریشانی ہے تو فوراً مجھے فون کر دینا۔ ڈھائی بجے شب فون کی گھنٹی بجی۔ والد محترم نے فون سن کر مجھے اٹھایا تو میرا دل دہل گیا۔ فرمایا کہ فوراً ہسپتال پہنچو۔ "لالہ جی" کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہو گئی ہے۔ (گھر کے تمام بڑے انہیں لالہ جی کہتے اور ہم بہن بھائی "لالے ماموں") پونے تین بجے میں پہنچا تو سانس بہت اکھڑی ہوئی تھی۔ اس حالت میں بڑی بے تکلفی سے میری طرف مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا اور اس انداز میں کہ "ہاتھ لا استاد" میں نے ان کا ہاتھ تھاما تو سورۃ "ق" کی یہ آیت پڑھی " وجاءت سکرۃ الموت بالحق ۔ پھر فرمایا بس آخری وقت ہے۔ سینے سے نیچے کام ختم ہو چکا ہے۔ میں نے پھر تسلی دی اور ڈاکٹروں کو بلایا بلڈ پریشر، شوگر، نبض دیکھی تو سب ٹھیک تھا۔ اس دوران شاہ جی مسلسل استغفار کرتے رہے۔ کلمہ شہادت پڑھ کر کمرہ میں موجود تمام خدام کو گواہ بناتے رہے۔ مسنون دعائیں پڑھتے رہے۔ میں سخت پریشانی کے عالم میں نوافل میں مشغول ہو گیا۔ پونے پانچ بجے صبح طبیعت پھر سنبھل گئی۔ گویا چراغِ آخرِ شب ٹمٹما رہا تھا اور اس کی لو آہستہ آہستہ مدھم ہو رہی تھی۔ میں نے عرض کیا آپ خواہ مخواہ ہمیں ڈراتے ہیں۔ اب دیکھیں بالکل ٹھیک ہیں۔ فرمایا نہیں، موت کی سکرات ہے۔ میں نے کہا آپ کے تمام ٹیسٹ درست ہیں۔ فرمایا "یہ جو کچھ میرے ساتھ ہو رہا ہے اس کو کیا کہیں گے" یہ لوگ اپنی تمام ادویات مجھے دے چکے ہیں۔ ایک آکسیجن ہے جو انہوں نے آخری سہارے کے طور پر مجھے لگا دی ہے۔ یہ کب تک مجھے اس کے ذریعے زندہ رکھ سکتے ہیں۔ مجھے گھر لے چلو یہ آکسیجن وہاں بھی لگائی جا سکتی ہے۔" میں نے کہا صبح مشورہ کر کے آپ کو لے چلیں گے۔ فرمانے لگے مجھے اٹھا کر بٹھا دو۔ میں نہیں بٹھا کر ساڑھے پانچ بجے صبح گھر آیا، سب کو جھوٹی تسلی دی اور نماز فجر کے بعد ضروری کام نمٹا کر حضرت پیر جی مدظلہ اور سید مرتضیٰ بخاری کے ہمراہ ہسپتال روانہ ہو گیا۔

یہ ۱۲۔ نومبر کی صبح ہے۔ حافظ محمد اختر نے بتایا کہ آج شاہ جی نے خلاف معمول جلدی ناشتہ کیا۔ بہت ہلکا ناشتہ۔ حافظ ضیاء اللہ سے فرمایا کہ نیا کرتا پہنا دو (یہ محترم بھائی بشیر احمد صاحب نور محلی نے ہسپتال جا کر پیش کیا تھا) حضرت پیر جی مدظلہ، مجھے اور سید مرتضیٰ بخاری کو دیکھتے ہی فرمانے لگے آ گئے ہو۔ یار اب تو مجھے گھر لے چلو۔ سید مرتضیٰ بخاری نے کہا چاچا جی، ڈاکٹر صاحب سے ضروری مشورہ کر کے ابھی گھر لے چلتے ہیں۔ مگر کچھ ہی دیر بعد انہوں نے سفر آخرت شروع کر دیا (اللھم ارحمنی واغفرلی، استغفر اللہ، اللہ اللہ کا ورد شروع کر دیا۔ ڈاکٹر پاؤں پر پٹی کرنے آئے تو فرمایا اب بس کر دو۔ کوئی ضرورت نہیں۔ ڈاکٹر صاحب کو

سلام کیا۔ جزاک اللہ، شکریہ، کہا۔ اور ہاتھ پاؤں سیدھے کر لیے۔ پھر مسلسل آبِ زم زم پیتے رہے۔ زبان خشک تھی اور سانس تیز تیز..... حافظ ضیاء اللہ تھوڑا تھوڑا زم زم چمچ کے ذریعے منہ میں ڈالتے رہا۔ دس منٹ پہلے انہوں نے ہم تمام خدام سے توجہ ہٹالی اور ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو گئے انہوں نے تو ہچکی بھی نہیں لی۔ چند لمبی لمبی سانسیں لیں اور پھر شاہ جی......

میرے محسن، میرے مربی، ہم سب کے محسن، احرار کے محسن...... ہم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جدا ہو گئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

انکی اس قابلِ رشک موت، ایمان والی موت کو دیکھ کر ہمارے حوصلے پست نہیں ہوئے بلکہ اور بلند ہوئے۔ حافظ محمد ضیاء اللہ، حافظ محمد امتیاز، حافظ محمد اختر، حافظ محمد اکمل اور حافظ محمد عمر فاروق یہ وہ ہونہار اور سعادت مند نوجوان ہیں جنہیں شاہ جی بچپن میں ان کے والدین سے قرآن کریم پڑھانے کے لئے مانگ کر لائے تھے۔ اب یہ جوان ہو کر عملی زندگی میں داخل ہو چکے ہیں۔ انہوں نے اپنے محسن اور شفیق شاہ جی کی خوب خدمت کی اور شاہ جی کی دعائیں لیں۔ انہی نوجوانوں کی گواہی ہے کہ ہم نے شاہ جی سے عرض کیا کوئی نصیحت فرما دیں۔ فرمایا کہ "جس کام پر تم کو لگایا ہے اس کو مت چھوڑنا اسی میں دنیا و آخرت کی فلاح ہے۔استقامت اختیار کرنا اور احرار سے وفا کرنا بس یہی نصیحت ہے"۔ چند روز قبل ایک مریض کا انتقال ہو گیا۔ لواحقین کے رونے کی آواز سنی تو فرمایا جا کر دیکھو کیا بات ہے۔ ضیاء اللہ نے بتایا کہ ایک مریض کا انتقال ہو گیا ہے۔ جیب میں دو سو روپے تھے۔ فوراً نکال کر کہا کہ یہ اس کے لواحقین کو دے دیں۔ یہ ہدیہ ہے۔ معلوم نہیں ان بے چاروں کے پاس اس وقت کچھ ہے بھی یا نہیں۔ ان سے کہو کہ اس سے اپنی فوری ضرورت پوری کر لیں۔ ضیاء اللہ کی روایت ہے کہ میں نے لواحقین میں سے ایک بزرگ خاتون کو یہ ہدیہ پیش کیا تو اس نے کہا کہ ہم کھاتے پیتے لوگ ہیں اور ہماری روزانہ لاکھوں کی آمدن ہے۔ ہمیں اس کی ضرورت نہیں، چونکہ آپ کے کسی بزرگ نے دیئے ہیں اس لئے ہم قبول کرتے ہیں۔ اس رات یہ شعر پڑھا۔

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ ، کل ہماری باری ہے

حافظ ضیاء اللہ نے عرض کیا شاہ جی یہ شعر مجھے لکھ دیں۔ چنانچہ اسے لکھ دیا، اور یہ شاہ جی کے ہاتھ سے لکھی ہوئی آخری تحریر ہے۔ جس کا عکس آخری صفحہ پر شائع کیا جا رہا ہے۔

شاہ جی! اللہ تعالیٰ آپ کی قبر پر اپنی شان کے مطابق رحمتیں نازل فرمائے (آمین)

شاہ جی ہم نے آپ کی امارت میں مجلس احرار اسلام سے وفاداری کا عہد کیا تھا۔

اور یہ عہد آپ نے ہم سے لیا تھا۔

ہم اس عہد کو پورا کریں گے۔ آپ کی جلائی ہوئی شمع کو روشن رکھیں گے۔

اور آپ کے جاری کئے ہوئے کام کو تیز تر کر دیں گے (ان شاء اللہ)